سچائی کا نقیب حقائق کا ترجمان
روزنامہ ندائے وقت پٹنہ Daily NADA-E-WAQT Patna
दैनिक नदा-ए-वक्त पटना

ممتا بنرجی، بی جے پی کیلئے اصل چیلنج

ایک ایسے وقت جبکہ مغربی بنگال اسمبلی انتخابات کا وقت قریب آتا جارہا ہے اور ایس آئی آر کے مسئلہ پر بی جے پی سے ممتا بنرجی کے ٹکراؤ میں بھی اضافہ ہوگیا ہے سابق چیف منسٹر اتر پردیش و سماجوادی پارٹی سربراہ اکھیلیش یادو نے ممتا بنرجی کو بی جے پی کیلئے سب سے بڑی رکاوٹ اور قومی سطح پر اصل چیلنج قرار دیا ہے۔ جس وقت سے بہار اسمبلی انتخابات میں این ڈی اے کو کامیابی ملی ہے اور مہا گٹھ بندھن نے شکست کھائی ہے اس وقت سے بی جے پی کے حوصلے بلند ہوگئے ہیں اور وہ اس بار ساری کوشش کررہی ہے کہ بنگال میں ممتا بنرجی کو شکست سے دوچار کرتے ہوئے اقتدار حاصل کرلیا جائے۔ دوسری طرف ایک اور بات محسوس کی جارہی ہے کہ بہار کی شکست کے بعد سے انڈیا اتحاد میں شامل جماعتوں میں ایک دوسرے کے تعلق سے گرمجوشی دکھائی نہیں دے رہی ہے اور دبے دبے الفاظ میں ایک دوسرے کے تعلق سے منفی خیالات کا اظہار کیا جانے لگا ہے۔ ایسے میں سماجوادی پارٹی سربراہ اکھیلیش یادو ترنمول کانگریس سربراہ ممتا بنرجی کو قومی سطح پر بی جے پی کیلئے اصل رکاوٹ اور چیلنج قرار دیتے ہوئے ممتا بنرجی کی تائید میں میدان میں اتر آئے ہیں۔ ممتا بنرجی حقیقی معنوں میں بی جے پی کیلئے بڑا چیلنج بنی ہوئی ہیں۔ انہوں نے لگاتار تین مرتبہ بنگال میں اقتدار حاصل کرتے ہوئے بی جے پی کے منصوبوں کو روکے رکھا ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے گذشتہ پارلیمانی انتخابات میں بی جے پی کی نشستوں کو کم کرنے میں کامیابی حاصل کی تھی۔ ایسے میں وہ یقینی طور پر بی جے پی کیلئے ایک بڑا چیلنج بن کر ابھری ہیں اور قومی سطح پر بی جے پی کا مقابلہ کرنے کیلئے کچھ گوشوں سے ممتا بنرجی کو ابھارنے کی کوششیں پہلے بھی کی گئی تھیں اور اب بھی کی جارہی ہیں اور اب ان کوششوں میں اکھیلیش یادو بھی شامل ہوگئے ہیں۔ ویسے بھی اکھیلیس کے ممتا بنرجی سے بہتر تعلقات پہلے سے رہے ہیں تاہم ملک کے موجودہ سیاسی ماحول میں یہ تعلقات اب مزید گہرے ہوتے دکھائی دے رہے ہیں۔ یہ دونوں ہی سیاسی جماعتوں کیلئے اہمیت کے حامل بھی ہیں اور اپوزیشن کی صفوں کو مستحکم کرنے میں بھی معاون ہوسکتے ہیں۔ چونکہ فی الحال مغربی بنگال میں اسمبلی انتخابات پر سب کی توجہ مبذول ہوئی ہے ایسے میں ممتا بنرجی کو مخالف بی جے پی جماعتوں کی تائید و حمایت ضروری ہے۔ اس کے علاوہ آئندہ سال اتر پردیش میں اسمبلی انتخابات ہونیوالے ہیں اور ایسے میں اکھیلیش یادو کیلئے بنگال میں بی جے پی کو کامیابی سے روکنا بھی ضروری ہے۔ اکھیلیش اس بات کو سمجھتے ہیں کہ جس طرح بہار میں بی جے پی کامیابی کے بعد جارحانہ تیور کے ساتھ بنگال میں جدوجہد کر رہی ہے اگر اسی طرح بنگال میں بی جے پی کو کامیابی مل جاتی ہے تو پھر یو پی میں سماجوادی پارٹی کی جدوجہد مشکل ہوسکتی ہے۔ اگر ممتا بنرجی کی قیادت میں بنگال میں بی جے پی کو ایک بار پھر شکست سے دوچار کردیا جائے تو پھر اتر پردیش میں سماجوادی پارٹی کے حوصلے بلند ہوسکتے ہیں اور سماجوادی کیڈر میں جوش و خروش پیدا کیا جاسکتا ہے۔ اتر پردیش میں یہ تاثر دیا جاسکتا ہے کہ بی جے پی کو شکست دینا ناممکن نہیں ہے۔ ویسے بھی بنگال اور اتر پردیش کے اسمبلی انتخابات اس اعتبار سے اہمیت کے حامل ہیں کہ قومی سطح پر بی جے پی کی مخالف جماعتوں میں کانگریس کے بعد ترنمول کانگریس اور سماجوادی پارٹی ہی کے ارکان پارلیمنٹ سب سے زیادہ ہیں۔ خود بی جے پی کی حلیف جماعتوں سے بھی تقابل کیا جائے تو ترنمول اور سماجوادی پارٹی کا پلڑا ہی بھاری ہے۔ ایسے میں اکھیلیش یادو اور ممتا بنرجی کی کامیابیاں اہمیت کی حامل ہوسکتی ہیں اور اس حقیقت کو اکھیلیش یادو بہتر طور پر سمجھ رہے ہیں۔ ملک کے موجودہ سیاسی ماحول اور آئندہ چند ریاستوں کے اسمبلی انتخابات کی اہمیت کے تناظر میں ممتا بنرجی کو بی جے پی کیلئے اصل چیلنج کے طور پر سیاسی حکمت عملی کے طور پر پیش کیا جارہا ہے۔ ممتا بنرجی ایک جارحانہ تیور والی اور تیز طرار لیڈر کے طور پر شہرت رکھتی ہیں اور انہوں نے اپنے اقتدار کے ذریعہ بی جے پی کی شدت سے مخالفت کی ہے اور بنگال میں پوری کوششوں کے باوجود بی جے پی کو اقتدار سے دور رکھا ہے۔ ایسے میں اکھیلیش کا یہ تبصرہ درست ہی کہا جاسکتا ہے کہ بی جے پی کیلئے ممتا بنرجی ہی اصل چیلنج ہیں اور یہ چیلنج اس وقت اور بھی سخت ہوسکتا ہے جب وہ بنگال میں بی جے پی کو ایک اور بار شکست سے دوچار کردیں۔

یوگی کے جھوٹ کو معید خان کے بلڈوزر نے کچل دیا

ڈاکٹر سلیم خان

ایودھیا میں 12 سال کی لڑکی کے ساتھ اجتماعی آبروریزی معاملے میں بھدرسا گرام پنچایت کے صدر معید خان کو مقامی عدالت نے بری کرکے سچے کا بولا بالا اور یوگی کا منہ کالا کردیا مگر یوگی کی ہٹ دھرم انتظامیہ کو شرم نہیں آئی۔ اتر پردیش کی حکومت اس فیصلے کو الہ آباد ہائی کورٹ میں چیلنج کرنے جارہی ہے۔ سرکاری وکیل وریندر کمار اگر پاکسو عدالت میں کوئی ثبوت نہیں پیش کرسکے تو عدالتِ عالیہ میں کہاں سے لائیں گے؟ معید خان کو پھنسانے کی خاطر پہلے کی طرح متاثرہ کی ماں پر دباؤ ڈال کر پھر ایک بیان دلوایا گیا۔ انہوں نے پولیس تفتیش میں لاپروائی کا الزام لگاتے ہوئے کہا کہ اس معاملے کی صحیح طریقے سے تفتیش نہیں کی گئی۔ سماجوادی پارٹی کے رکن پارلیمان اودھیش سنگھ کے دباو میں ڈی این اے رپورٹ کے اندر ردوبدل اور ہیرا پھیری کی گئی۔ ان الزامات کو درست مان لیا جائے تو کئی سوال پیدا ہوتے ہیں مثلاً یوپی میں وزارت داخلہ کا قلمدان یوگی کے ہاتھ میں ہے یا اودھیش کے؟ اگر یوگی کے پاس ہے تو پولیس ان کی سننے کے بجائے اودھیش سے کیوں ڈرتی ہے؟

متاثرہ کی ماں کا دوسرا الزام بھی یوگی کے خلاف جاتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا موصوف اس قدر نااہل وزیر اعلیٰ ہیں کہ ان کے راج میں ایودھیا جیسے ہائی پروفائل مقدمہ کے ڈی این اے رپورٹ میں ردوبدل ہوگیا اور وہ بے یارومددگار دیکھتے رہ گئے؟ اگر ایسا ہے تو انہیں راج پاٹ چھوڑ کر اپنے مٹھ میں گھنٹی بجانا چاہیے لیکن سچائی تو یہ ہے وہ نادانستہ طور پر خود اپنے خلاف الزامات لگوا رہے ہیں۔ یہ تو بالکل امیت شاہ کے الزام جیسی بات ہے جو انہوں نے مغربی بنگال میں جا کر لگایا تھا۔ انہوں نے کہا تھا ممتا بنرجی نے دراندازوں کے لیے بنگلہ دیش کی سرحد کھول دی ہے؟ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ سرحد کی حفاظت پر تعینات بارڈر سیکیورٹی فورس کس کے تحت کام کرتی ہے؟ مرکزی یا ریاستی حکومت کے؟ اور جب ممتا سرحد کو کھول رہی تھیں تو کیا ملک وزیر داخلہ چوڑیاں پہن کر بھجن کررہا تھا؟ سیاسی مجبوریاں اچھے اچھوں سے جھوٹ بلواتی ہیں مگر ایسا احمقانہ سفید جھوٹ وہی بول سکتا ہے جس اندھے مقلدین (اندھ بھگتوں) کی آنکھوں اور عقل دونوں پر پردہ پڑا ہو۔

الزام در الزام کی بوچھار میں معید خان کے وکیل سعید خان کا یہ الزام سامنے آگیا کہ جب مجسٹریٹ کے سامنے متاثرہ لڑکی کا پہلا بیان درج ہوا تھا تو اس موہت پر زیادتی کا الزام لگایا تھا۔ زبیر احمد کے آلٹ نیوز نے بھی تصدیق کی کہ پولیس نے جب اس بیان کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ اس میں معید کا نہیں بلکہ موہت کا نام تھا، لیکن چونکہ انتظامیہ کو (اپنے آقاوں کی خوشنودی کے لیے) معید کو پھنسانا تھا، اس لیے دوسرے بیان میں متاثرہ کو سکھا پڑھا کر معید کا نام لکھوایا گیا۔ یہ کہلوایا گیا کہ اس نے معید کہا تھا لیکن مجسٹریٹ صاحب نے اسے موہت لکھ دیا۔ ایسا ہے تو مجسٹریٹ کو بھی سزا ملنی چاہیے۔ اس وقت یہ دعویٰ بھی کیا گیا تھا کہ پورے قصبے میں موہت نام کا کوئی شخص ہے ہی نہیں حالانکہ متاثرہ کی بڑی بہن کے دیور کا نام بھی موہت ہے، وہ اسی قصبے میں رہتا ہے۔ اسی کو کہتے ہیں جھوٹ کے پاوں نہیں ہوتے اور چلنے کی کوشش میں وہ منہ کے بل گر جاتا ہے۔

ایودھیا کی خصوصی پاسکو عدالت نے جہاں ایک طرف معید خان کو 2024 کے مبینہ اجتماعی عصمت دری کے معاملے میں بری کردیا وہیں ان کے گھریلو ملازم راجو خان کو 20 سال قید کی سزا سنائی گئی۔ عام طور پر جبری عصمت دری کا معاملہ زیادتی کے فوراً بعد درج کیا جاتا ہے۔ اس معاملے میں عقدہ اس وقت کھلا جب طبی معائنے کے دوران نابالغ لڑکی حاملہ پائی گئی یعنی اس وقت تک وہ خاموش تھی۔ اس کا مطلب ہے کہ لڑکی اپنی رضامندی سے حاملہ ہوئی تھی۔ اسلامی قانون زنا کے معاملے میں رضامندی یا غیر رضامندی کا روادار نہیں ہے مگر جس راجو خان کو جس تعذیراتِ ہند کے تحت سزا دی گئی وہ تو فرق کرتا ہے۔ ہائی کورٹ میں اگر متاثرہ کی ماں کا اصرار معید خان کو سزا دلوانے پر ہو تو بغیر ثبوت کے یہ ممکن نہیں ہوگا الٹا راجو خان تضاد بیانی کی بناء پر چھوٹ جائے گا اور لینے کے دینے پڑ جائیں گے کیونکہ متاثرہ کی پڑوسی خواتین کیمرے کے سامنے اس کی کردارکشی کرچکی ہیں اور انہیں گواہ کے طور پر عدالت میں پیش کیا جاسکتا ہے۔ پولیس کے ڈر سے بیان بدلنا تو قابلِ فہم ہے مگر کیمرے کے سامنے عام لوگ سچ بولتے ہیں۔ اتر پردیش کے وزیر اعلیٰ یوگی ادیتیہ ناتھ ایوانِ اسمبلی میں سینہ ٹھونک کر کہا تھا کہ ایودھیا سے سماجوادی پارٹی کے رکن پارلیمان اودھیش سنگھ کی کوکھ کی رکن معید خان کو ایک نابالغ دلت لڑکی کی عصمت دری میں ملوث پایا گیا ہے۔

ریاستی حکومت نے تفتیش کا حکم دیا تو سماجوادی پارٹی نے اس کی تائید میں ڈی این اے ٹیسٹ کروا کر دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کرنے کا مطالبہ کردیا۔ اس پر زعفرانیوں نے سماجوادی پارٹی پر اپنے رہنما کو بچانے کا الزام لگایا اور پورے گودی میڈیا میں معید خان سمیت سماجوادی پارٹی کا میڈیا ٹرائل شروع ہوگیا۔ ایودھیا کی ہار کا یہ نزلہ معید خان کے بہانے ایس پی پر اتارا جارہا تھا لیکن تفتیش کے اندر ڈی این اے ٹیسٹ شامل تھا۔ جنین سے ڈی این اے نکال کر جب جانچ کی گئی تو بی جے پی کی سازش پر پانی پھر گیا کیونکہ اس میں معید خان کے خلاف الزامات کو ثابت نہیں ہوئے۔ اس لیے اسپیشل جج (پاکسو) نروپما وکرم نے رپورٹ اور ریکارڈ کی بنیاد پر معید خان کو باعزت بری کرکے گھریلو نوکر راجو خان کو 20 سال سخت قید کی سزا سنائی اور پچاس ہزار کا جرمانہ لگادیا۔ دین اسلام میں زنا کاری گناہِ عظیم ہے اس لیے شواہد کی موجودگی میں راجو خان کسی ہمدردی کا مستحق نہیں ہے۔

29 جولائی 2024 کو یہ معاملہ پورقلندر پولیس اسٹیشن میں درج کیا گیا تھا۔ اس میں 12 سالہ نابالغ لڑکی کے ساتھ اجتماعی عصمت دری کا الزام تھا۔ پولیس نے اگلے ہی دن معید خان اور ان کے نوکر راجو کو گرفتار کرلیا تھا۔ الزام یہ تھا کہ جرم دو ماہ قبل انجام دیا گیا اور اس کی ویڈیو بھی بنائی گئی۔ بعد ازاں متاثرہ لڑکی کا لکھنؤ کے کوئن میری اسپتال میں اسقاط حمل کرایا گیا۔ عدالتی کارروائی کے دوران یہ بات بھی سامنے آئی کہ مبینہ جرم کا ارتکاب معید خان کی بیکری میں نہیں بلکہ اس سے کافی دور ایک مقام پر کیا گیا۔ استغاثہ کی جانب سے پیش کیے گئے 13 گواہوں کے بیانات بھی عدالت میں معید خان کے خلاف الزامات ثابت نہ کرسکے۔ ویڈیو ریکارڈنگ کا جو دعویٰ کیا گیا اور جس موبائل فون کی بات کی گئی تھی، اس کی فرانزک جانچ بھی ان الزامات کی تصدیق نہیں کرسکے۔ اس کے باوجود معاملے کے منظر عام پر آتے ہی اتر پردیش حکومت حرکت میں آگئی۔ وزیر اعلیٰ نے ایوانِ اسمبلی میں نہایت غیر ذمہ دارانہ بیان دیا میڈیا نے ہلہ مچایا تو واہ واہی وصولنے کے چکر میں معید خان کی بیکری اور ایک کثیر منزلہ شاپنگ کمپلیکس کو بلڈوزر کے ذریعے مسمار کردیا گیا۔ اس کارروائی کے بعد حکومت پر قبل از وقت سزا دینے کے الزامات تو لگے لیکن میڈیا میں جشن کا ماحول تھا۔

اکھلیش یادو نے حالیہ فیصلے کے بعد نہایت تند و تیز حملہ کرتے ہوئے کہا کہ: ''کیا 'امتیازی بی جے پی' کے پاس ایسا کوئی بلڈوزر ہے جو لوگوں کے منہدم گھروں کو دوبارہ تعمیر کرسکے اور ان کے سر پر عزت و خودداری کی چھت واپس لاسکے؟'' وہ بولے: ''حکمران طاقتیں اپنے خلاف درج مقدمات تو واپس کراسکتی ہیں، لیکن جو گناہ انہوں نے کئے ہیں وہ اوپر والے کی عدالت میں درج ہورہے ہیں، وہاں سے وہ کیسے بچیں گے؟'' اکھلیش کی زبان سے آخرت کا حوالہ قابلِ تعریف ہے مگر ان کا یہ سوال کہ ''اتنی ناانصافی اور گناہ کرنے کے بعد کوئی کیسے سوسکتا ہے؟'' بے محل ہے کیونکہ بی جے پی میں آنے سے قبل لوگ اپنے ضمیر کا گلا گھونٹ دیتے ہیں اس لیے وہ کچوکے نہیں مارتا۔ یوگی سرکار تو سماجوادی پارٹی کے رہنما معید خان کے پیچھے پڑی ہوئی ہے مگر ان بیٹے ظہیر خان اور دیگر اہل خانہ بھی خاموش نہیں ہیں۔ وہ پوری قوت کے ساتھ ہائی کورٹ میں مضبوط پیروی کی تیاری کررہے ہیں۔

ظہیر خان کا الزام ہے کہ معاملہ سامنے آنے کے بعد ضلع انتظامیہ نے جس تقریباً 50 دکانوں والے ملٹی اسٹوری شاپنگ کمپلیکس کو منہدم کردیا تھا، وہ معید خان کا نہیں بلکہ برطانیہ میں مقیم ان کے چچا اصغر علی کا تھا۔ ظہیر خان اس بلڈوزر کارروائی کو عدالت میں چیلنج کرنے جارہے ہیں۔ وہ آبروریزی معاملے کی بنیاد پر لگائے جانے والے گینگسٹر ایکٹ کے تحت کی گئی کارروائی کے خلاف بھی مقدمہ لڑیں گے۔ ظہیر خان نے اپنے والد کو پھنسانے کے پیچھے سیاسی دشمنی کے کارفرما ہونے کا الزام لگاتے ہوئے یہ دعویٰ دوہرایا ہے کہ معید خان کا نام شروعاتی ایف آئی آر میں نہیں تھا اور وہ بعد میں جوڑا گیا۔ انہوں نے حادثے کی مبینہ ویڈیو کو ٹرائل کے دوران ثبوت کے طور پر پیش نہیں کیے جانے کی طرف توجہ دلائی۔ یہ حقائق اکھلیش کے اس بیان کی تائید کرتے ہیں کہ: ''سچ ہر سازش سے بڑا ہوتا ہے۔'' اور جھوٹ کی بنیاد نہیں ہوتی اسی لیے معید خان کے بلڈوزر نے یوگی کے جھوٹ کو کچل دیا۔

وہ جنگ ہی کیا جس میں فاتح کا بھی نقصان اور مفتوح کا بھی نقصان

غلام غوث، بنگلور

شمالی کوریا ایک چھوٹا سا ملک ہے جس کی آبادی 25.461 ملین ہے اور جس کا وقبہ 120,538 اسکویر کیلومیٹر ہے۔ امریکہ اور یوروپ جیسے بڑے اور طاقتور ممالک اس سے ڈرتے ہیں۔ اسے کبھی کبھی ڈراتے بھی ہیں اور دوستی کا ہاتھ بھی بڑھاتے ہیں۔ ایسا اس لئے ہے کیونکہ کوریا کے پاس نیوکلیر بم ہیں اور انہیں دور دراز تک لے جانے والے ہائپرسونک میزئیل بھی ہیں۔ اگر اس پر کوئی حملہ کرے تو وہ ان پر جوابی حملہ کرنے کی قابلیت رکھتا ہے۔ اس کے مقابلے میں ایران ایک کافی بڑا ملک ہے جس کی آبادی 81.525 ملین اور جس کا رقبہ 1,648,195 اسکویر کیلومیٹر ہے۔ 1979 میں جب محمد رضا شاہ کی حکومت کو معزول کرکے آیت اللہ خمینی کی مذہبی حکومت قائم ہوی تب سے آج تک اس کے اور امریکہ کے درمیان دشمنی چلی آرہی ہے۔ امریکہ اس مذہبی حکومت سے خوش نہیں ہے۔ خمینی سے پہلے جب شاہ کی بادشاہت تھی تب امریکہ، ایران اور اسرائیل کے درمیان کافی دوستی تھی۔ اس وقت امریکہ نے ایران کو جدید ہتھیار سپلائی کررہا تھا اور اسے نیوکلیر پاور بنانے میں بھی مدد کررہا تھا۔ شاہ کی غلطی یہ ہوی کہ اس نے اسلام سے دوری دکھائی اور ظالم پولیس ساواک کا غلط استعمال کیا اور ہر مخالف آواز کو دبانے کے لئے اسے استعمال کیا۔ اگر شاہ کی حکومت ہوتی تو کبھی کے ایران نیوکلیر پاور بن چکا ہوتا۔ دشمنی صرف اس لئے رہی کیونکہ امریکہ شاہ کا طرفدار تھا۔ خمینی نے اقتدار سنبھالنے کے بعد شاہ کے بے شمار ملٹری کمانڈروں کو قتل کردیا اور اس کے طرفداروں کو بھی سزائیں دیں۔ دشمنی کا دوسرا سبب ایران کا اسرائیل کے خلاف بیانات اور اسے صفحۂ ہستی سے مٹانے کے اعلانات تھے۔ یہ مخالفت تب سے لے کر اب تک چل رہی ہے۔ اگر ایران شروع سے سب کچھ بھلا کر امریکہ سے دوستی نہ سہی خاموشی اختیار کرتا تو نوبت یہاں تک نہیں آتی تھی۔ پچھلے چار پانچ سالوں سے دشمنی اس بات کو لے کر بھی ہوی کہ ایران نے خود کو نیوکلیر پاور بننے کا اعلان کردیا۔ اگر ایران ایسے اعلانات سے گریز کرتے ہوے خاموشی سے نیوکلیر پاور بننے کی کوشش کرتا تو اس کے لئے اچھا تھا۔ امریکہ اور اسرائیل کبھی نہیں چاہتے کہ ایران نیوکلیر پاور بنے۔ ایک بات جو ہماری سمجھ میں نہیں آرہی ہے وہ یہ کہ پچھلے چار سالوں سے ایران نیوکلیر بم بنانے میں لگا ہے اور ایسے تاثیر دے رہا ہے کہ وہ کچھ ہی دنوں میں نیوکلیر پاور بن جائے گا مگر اب تک کوئی یقین سے نہیں کہہ سکتا کہ ایران کے پاس نیوکلیر بم ہیں یا نہیں۔ اگر ایک مرتبہ ایران بم کا خفیہ دھماکا کردیتا ہے تو دنیا کا ہر ملک اس کی مخالفت کرنے سے ڈرنے لگتا ہے۔ طاقت ور بننے کے بعد اگر ایران نے امریکہ کی مخالفت کرنے کے بجائے اگر دوستی کا ہاتھ بڑھاتا ہے اور اگر اسرائیل کے خلاف بیانات دینے سے گریز کرتا ہے تو اس کے لئے بہتر ہے۔ امریکہ 1953 کی طرح اس بار بھی ایرانی حکومت کا تختہ پلٹنے کے لئے وہاں عوام کو بھڑکا کر بغاوت کروا رہا ہے۔ اب حالت یہ ہے کہ اسرائیل اور امریکہ دونوں مل کر ایران پر حملہ کرنے کو کوشش میں ہیں۔ دنیا میں 80 ممالک ایسے ہیں جہاں امریکہ کے ملٹری اڈڈے ہیں۔ یہ ملٹری اددے 25 عرب میں بھی ہیں اور خاص کر دوحہ میں اس کا بہت بڑا ملٹری اڈڈا ہے۔ اگر امریکہ ایران پر حملہ کرتا ہے تو ایران کی پہنچ امریکہ تک نہیں ہوگی مگر وہ ہر قریبی امریکی اڈڈے پر حملہ کردے گا اور اسے تباہ کردے گا۔ اگر ایسا ہوا تو عرب ممالک تباہی سے دوچار ہوجائیں گے۔ اس بات کو دھیان میں رکھتے ہوے عرب ممالک نے امریکہ کو کہہ دیا ہے کہ وہ ان کے اڈڈے اور فضائی حدود استعمال نہ کرے۔ اس کے باوجود اگر امریکہ سمندر سے یا فضاء سے ایران پر حملہ کرتا ہے تو ایران نہ صرف سمندری حملہ کرے گا بلکہ اس کے پاس عرب ممالک کے امریکی اڈڈوں کو تباہ کرنے کے سوائے کوئی راستہ نہیں رہے گا۔ اس وقت امریکہ ایران کے قریبی سمندر Mediterarian Sea اور Red Sea میں تین ایرکرافٹ کیریر لا چکا ہے۔ ایک ابراہم لنکن، دوسری جارج ڈبلیو بش اور تیسری روزویلٹ۔ اس کے ساتھ چھ ڈسٹرئے یرس Destroyers اور دیگر جنگی جہازوں کے ساتھ تیس ہزار فوجیوں کو جمع کرچکا ہے۔ آجکل جو جنگیں ہوتی ہیں ان میں فوجیں آمنے سامنے نہیں ہوتیں اور نہ ہی تیر، تلوار، بندوقیں اور مشین گنیں استعمال ہوتی ہیں۔ اب زیادہ تر راکٹس، میزائیلس، ڈرون اور لڑاکو ہوائی جہاز استعمال ہوتے ہیں اور یہ سب کافی دوری سے استعمال کئے جاتے ہے۔ ٹینکس اور بکتر بند گاڑیاں صرف پڑوسی ممالک سے جنگ کرنے میں استعمال ہوسکتے ہیں۔ ایران اور اسرائیل کے درمیان 1300 میل کا فاصلہ ہے۔ ایسے میں نہ ایران اسرائیل کی زمیں پر اپنے فوجی اتار سکتا ہے اور نہ اسرائیل ایران کی سرزمین پر۔ جو بھی جنگ لڑی جاتی ہے وہ میزائلز، راکٹس اور ڈرون سے لڑی جاتی ہے۔ ایران کے پاس کافی زیادہ مہلک ڈروم اور میزائل ہیں۔ یہ ڈرون مہلک ہونے کے ساتھ ساتھ بہت کم قیمت بھی ہیں اور یہ لاکھوں کی تعداد میں ہیں۔ انہیں جنگ کے دوران دن رات بنایا بھی جاسکتا ہے۔ ملٹری ماہرین نے لکھا ہے کہ ایران کے جو میزائیل ہیں وہ داغنے پر ان سے پانچ چھوٹے میزائیل نکلتے ہیں جن میں سے کچھ آئرن ڈوم سے نکلنے والے مزائلوں کا شکار ہوجاتے ہیں جبکہ حقیقی بم والا میزائیل نشانے پر گرتا ہے۔ یہ بھی لکھا ہے کہ اسرائیل کے میزائل مخالف آئرن ڈوم سے نکلنے والے میزائیل سسٹم کے میزائیلوں سے تین گنا زیادہ قیمتی ہوتے ہیں۔ اگر ایک ساتھ کئی ڈرون یا میزائل داغے گئے تو کچھ تو آئرن ڈوم کی زد میں آئیں گے مگر باقی سیدھے اپنے نشانے پر لگیں گے۔ اگر جنگ ہوی تو ایران انہیں ڈرون اور میزائل کا استعمال کرے گا جس سے امریکہ بحری بیڑے کو، امریکی اڈڈوں کو اور اسرائیل کو کافی نقصان ہوگا۔ چین اور روس بھی ایران کو ہتھیاروں سے مدد کرتا رہے گا۔ آجکل جو جنگیں ہوتی ہیں ان میں الیکٹرانک وارفیر اور سائبر اٹیک Electronic war fare and cyber attack استعمال ہوتے ہیں۔ سب سے پہلے مواصلاتی نظام کو ختم کردیا جاتا ہے جس سے دشمن اپنی فوجوں کو احکامات نہیں دے سکتا اور نہ ہی میزائیل کو کوئی حکم دے سکتا ہے۔ تمام مواصلاتی نظام بند ہوجاتا ہے۔ چاروں طرف خاموشی چھا جاتی ہے اور انٹرنیٹ بند ہوجاتا ہے۔ اگر ایران اس کا توڑ کرسکتا ہے تو وہ جوابی کاروائی کرسکتا ہے اور دشمن کی چالوں کو منھ توڑ جواب دے سکتا ہے۔ ایسی جنگ میں امریکہ، اسرائیل اور ایران سب کا کافی جانی اور مالی نقصان ہوگا۔ عرب ملکوں کا بھی نقصان ہوگا۔ اب غور کرنے والی بات یہ ہے کہ کیا امریکہ کو ایسی جنگ سے فائدہ ہوگا اور کیا ایران تباہی سے بچ جائے گا۔ ایران کا دعوی کہ وہ اسرائیل کو صفحہ ہستی سے مٹا دے گا یہ ناممکن ہے۔ ایسے میں ایسے دعوے کرنا ناسمجھی سے زیادہ کچھ بھی نہیں۔ ایسے دعوں سے جذباتی مسلمان خوش تو ہوسکتے ہیں مگر کیا انہیں اندازہ ہے کہ ایسی جنگ سے مسلم ممالک کا کتنا نقصان ہوگا اور کتنے مسلمان مریں گے؟ فرض کرو اگر ایران فاتح ہوگیا تو اس سے اس کو کیا فائدہ ہوگا۔ کیا اسکی معیشت اچھی ہوجائے گی اور کیا وہ عالمی طاقت بن جائے گا۔ یہی بات امریکہ اور اسرائیل کے لئے بھی سچ ہے۔ اسرائیل ایران کو کچھ نقصان تو پہنچا سکتا ہے مگر اسے مکمل برباد نہیں کرسکتا۔ سچ کہیں یہ پوری جنگی تیاری ایک حماقت ہے اور ہر کسی کی مالی اور جانی بربادی کی مثال ہے۔ سمجھ میں نہ آتا کہ کیسے ٹرمپ جیسے امریکی صدر، اسرائیل کے نتن یاہو اور ایران کے آیت اللہ اس بیوقوفی کے شکار ہوسکتے ہیں۔ وہ دن کب آئیں گے جب ہر ملک اپنی اپنی حدود میں امن و امان سے رہے گا اور خوشحال رہے گا۔ وہ دن کب آئے گا جب ہر ملک کم فوج اور کم ہتھیار رکھے گا اور امن سے رہے گا۔

انصاف کا ترازو اور مذہب کا سایہ عدالتی غیر جانب داری پر ایک سنجیدہ سوال

عبدالحلیم منصور

عدالت محض اینٹ، پتھر اور کاغذی کارروائی کا نام نہیں، یہ کسی بھی جمہوری سماج میں عوام کے اجتماعی ضمیر اور آخری امید کی علامت ہوتی ہے۔ جب سیاست مفادات کی دلدل میں اتر جائے، انتظامیہ کمزور یا جانبدار نظر آنے لگے اور سماج ناانصافی کے بوجھ تلے دب جائے، تب نگاہیں فطری طور پر عدالت کی طرف اٹھتی ہیں۔ اسی لیے عدالتوں سے صرف فیصلوں کی نہیں بلکہ غیر جانب داری، اخلاقی وقار اور آئینی وفاداری کی توقع کی جاتی ہے۔ مگر سوال اس وقت سنگین صورت اختیار کرلیتا ہے جب خود عدالتی منصب پر فائز کسی شخصیت کے الفاظ اس بنیادی اعتماد کو متزلزل کرنے لگیں۔

حالیہ دنوں مدراس ہائی کورٹ کے ایک جج کے عوامی بیان نے اسی نوعیت کی بحث کو جنم دیا ہے۔ جب کوئی جج یہ کہتا ہے کہ وہ اپنے مذہبی عقیدے کو دل میں رکھ کر عوامی فرائض انجام دینا چاہتا ہے تو یہ بات محض ذاتی اظہار نہیں رہتی۔ عدالتی منصب کی نوعیت ہی ایسی ہے کہ وہاں ذاتی سوچ، ذاتی عقیدہ اور ذاتی رجحان بھی ایک اجتماعی اور ادارہ جاتی پیغام بن جاتا ہے۔ یہی وہ نکتہ ہے جہاں مسئلہ فرد سے نکل کر عدلیہ کی ساکھ، عدالتی اخلاقیات اور عوامی اعتماد سے جڑ جاتا ہے۔

یہاں یہ نکتہ واضح ہونا چاہیے کہ ہندوستان کا آئین کسی ابہام کے بغیر ایک سیکولر دستاویز ہے۔ سیکولرازم کا مطلب مذہب دشمنی نہیں بلکہ ریاست اور اس کے تمام ستونوں کی مذہبی غیر جانب داری ہے۔ آئین تمام شہریوں کو مساوی حیثیت دیتا ہے، مذہب، ذات، نسل یا شناخت کی بنیاد پر کسی بھی قسم کے امتیاز کو مسترد کرتا ہے اور انصاف کو ہر عقیدے سے بالاتر رکھتا ہے۔ ایک جج جب حلف اٹھاتا ہے تو وہ کسی مذہبی روایت، فلسفے یا فکری مکتب کا محافظ بننے کا وعدہ نہیں کرتا، بلکہ آئین کے تحفظ اور قانون کی بالادستی کا عہد کرتا ہے۔ یہی عہد عدالتی منصب کی اصل روح اور اخلاقی بنیاد ہے۔

یہ بھی ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ جج سماج ہی سے آتے ہیں۔ ان کی ذاتی شناخت، مذہبی پس منظر اور فکری وابستگیاں ہوسکتی ہیں، مگر جج کی کرسی ایک ایسی جگہ ہے جہاں ذاتی شناخت کو شعوری طور پر پس پشت ڈالنا پڑتا ہے۔ یہی عدالتی اخلاقیات کا بنیادی اصول ہے۔ اسی لیے دنیا بھر کی جمہوریتوں میں یہ اصول تسلیم شدہ ہے کہ انصاف صرف ہونا کافی نہیں، بلکہ ایسا نظر آنا بھی چاہیے کہ ہر فریق بلا خوف و تردد اس پر یقین کرسکے۔

جب کوئی جج اپنے مذہبی عقیدے کو عوامی فرائض کا رہنما قرار دیتا ہے تو فطری طور پر چند ناگزیر سوالات جنم لیتے ہیں۔ کیا اس کے بعد تمام شہری خود کو یکساں محفوظ محسوس کریں گے؟ کیا اقلیتوں کو یہ اعتماد رہے گا کہ ان کے مقدمات صرف قانون، شواہد اور آئینی اصولوں کی بنیاد پر سنے جائیں گے؟ کیا ایک مسلم، عیسائی یا دلت فریق یہ یقین کرپائے گا کہ اس کے ساتھ مذہبی شناخت کی بنیاد پر لاشعوری امتیاز نہیں برتا جائے گا؟ اور اگر کسی مقدمے میں مذہبی شناخت بالواسطہ طور پر شامل ہو تو کیا فیصلہ واقعی غیر جانب دار رہے گا؟ یہ سوالات بدنیتی پر مبنی نہیں بلکہ عدالتی نظام پر عوامی اعتماد کے لیے ناگزیر ہیں۔

موجودہ سماجی اور سیاسی تناظر میں یہ تشویش مزید گہری ہو جاتی ہے۔ ملک کے مختلف حصوں میں مذہبی بنیادوں پر تشدد، نفرت انگیز بیانیہ، ہجومی کارروائیاں اور عبادت گاہوں سے متعلق تنازعات ایک تلخ حقیقت بن چکے ہیں۔ گورکشا، مبینہ لو جہاد اور مذہبی شناخت کی بنیاد پر تشدد جیسے معاملات نے اقلیتوں میں عدم تحفظ کے احساس کو بڑھایا ہے۔ ایسے ماحول میں عدالت ہی وہ واحد ادارہ رہ جاتی ہے جس سے مظلوم طبقے انصاف اور تحفظ کی امید باندھتے ہیں۔ اگر اسی ادارے سے مذہبی جھکاؤ یا جانبداری کا تاثر ملنے لگے تو یہ آئینی جمہوریت کے لیے خطرے کی گھنٹی ہے۔ انصاف صرف ہونا ہی نہیں چاہیے، محسوس بھی ہونا چاہیے۔

عدالتی روایت ہمیشہ سے اس بات پر زور دیتی رہی ہے کہ جج نہ صرف غیر جانب دار ہو بلکہ اس کی گفتار، طرزِ عمل اور عوامی موجودگی سے بھی غیر جانب داری جھلکتی ہو۔ اسی اصول کے تحت ماضی میں سپریم کورٹ اور مختلف ہائی کورٹس نے ججوں کے سیاسی تبصروں، نظریاتی اظہار اور مذہبی نوعیت کے عوامی بیانات کے حوالے سے احتیاط کو لازمی قرار دیا ہے۔ جج کے ال